ظفر برادرس تاجران کتب لاہور کا سلسلۂ تالیفات ۵

جمال الدین افغانی

یعنی اتحاد اسلامی کے محرک اعظم مصر ٹرکی۔ ایران اور ہندوستان
کے ذریعہ تمام عالم اسلام میں حریت و آزادی کی روح
پھونکنے والے مجدد اعظم علامہ سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ
کے سبق آموز حالات زندگی

از قلم

مولانا ظفر علیخان صاحب بی۔ اے ایڈیٹر زمیندار

جسکو
ظفر برادرس تاجران کتب لاہور نے
جاجہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام مارا شیر داس پرنٹر چھپوایا

قیمت فی جلد ۱۲؍

تاریخ حریت اسلام

اس نادر الوجود اسلامی تاریخ میں اسلامی جانبازوں اور حریت پسندوں کے جرأت آفرین حق آموز۔ صداقت۔ ثابت قدمی اور اسلامی ادب و اخلاق کے واقعات مہیا کرنے میں جس محنت و عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ مولانا عبد الباری فرنگی محل لکھنؤ۔ آغا صفدر بی۔ اے ڈاکٹر کچلو بیرسٹرایٹ لا۔ خان بہادر سید اکبر حسین پنشن جج الہ آباد۔ حضرت خواجہ حسن نظامی ڈاکٹر عبد الغنی صاحب بی۔ اے سابق وزیر خارجہ افغانستان حال ڈائرکٹر قومی مدارس پنجاب۔ مسٹر حسن محمد حیات صاحب رجسٹرار مسلم نیشنل یونیورسٹی اور دیگر نامور اہل الرائے لیڈران قوم نے اس کو اسلامی لٹریچر میں ایک بہترین اضافہ تسلیم کیا۔ اور اسلامی سکولوں کالجوں اور لائبریریوں کے لئے خاص طور پر اسکی سفارش کی ہے۔ اس تاریخ کا مطالعہ ارادوں میں حرکت اور حرکت میں جوش استقلال پیدا کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے۔ کہ ہمارے بزرگ حق پرستی اور ایثار و قربانی پاکیزہ نفسی اور راستگوئی میں کس جرأت ایمانی سے کام لیتے تھے۔

یہ تاریخ بتاتی ہے۔ کہ ہم دنیا میں جب قابل عزت تھے۔ جب ہمارا پرچم دنیا کے ہر حصہ پر لہراتا تھا۔ اور جب ہماری سطوت و شوکت سے شاہان عالم کانپتے تھے۔ اس وقت ہم میں کون سی خصوصیت تھی۔ اور آج ہماری ذلت و پستی کی کیا وجوہات ہیں۔

حریت اسلام میں زمانہ رسالت۔ عہد خلافت راشدہ۔ اور خلفائے بنی امیہ عباسیہ عہد بنی بویہ و سلجوقیہ۔ دولت ہسپانیہ و غزنویہ کے علاوہ ٹرکی و مصر الجزائر مراکش۔ فرمانروایان ہند (خاندان افغانیہ و غلاماں و عہد مغلیہ وغیرہ) اور مسلمان بادشاہان دکن۔ سندھ گجرات۔ کشمیر کے عہد ہائے گذشتہ کے راست باز حق گو حق پرست بزرگوں کے حیرت خیز جرأت آفرین اور ولولہ انگیز استقلال اور جوش و ایثار کے حریت آموز حالات اور عدل و انصاف۔ حریت و مساوات۔ خدا ترسی و پاکیزہ نفسی کے حامی بادشاہوں کے سبق آموز واقعات کے علاوہ پرستاران حق و صداقت اور فدائے مذہب و ملت۔ عورتوں کے سوانحات عمری درج ہیں۔ قیمت ۳ روپیہ۔ درجہ اول۔ ۲؍ درجہ دوم

المشتہر ظفر برادرس تاجران کتب حلقہ ۲۴ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ جمال الدین افغانی

یورپ کو اگرچہ فطرت انسانی کے ماہر اور حقائق نفس الامری کے نقاد ہونے کا بہت بڑا دعویٰ ہے لیکن پھر بھی وہاں کے اکثر پڑھے لکھوں میں ہمیں ایسے اشخاص نظر آتے ہیں جو صورت کو معنی پر ترجیح دے کر واقعات کی طرف سے تو آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں اور اپنے پولیٹکل دستور العمل کو مرتب کرتے وقت عمداً یا سہواً الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اسلامی اخوت ایک سیدھا سادھا جملہ ہے جس کے مفہوم میں برادرانہ یکجہتی اور باہمی ہمدردی و غمگساری کے وہ عمرانی اصول داخل ہیں جن کو دنیا کا کوئی اخلاقی فلسفہ مذموم و ناروا نہیں قرار دے سکتا لیکن یورپ کے اہل قلم جن کے خیالات پر قسیسیت کا روغن چڑھا ہوا ہے اس کا ترجمہ "پان اسلامزم" کرتے ہیں اور یہ وہ نام ہے جسکے سنتے ہی مسیحیت کے پردہ تصور پر مجاہدانہ جوش اور کورانہ تعصب کی تصویر

نظر آتی ہے "زرد خطرے" اور "کالے خطرے" کے جملوں کی طرح جو چلیں و افریقہ کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ "پان اسلامزم" یعنی "اسلامی خطرے" کی اصطلاح کی ایجاد کی غایت یہ تھی کہ دنیا کی رہی سہی آزاد و خود مختار اسلامی طاقتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے تاکہ ربع مسکون پر تثلیث کا واحد علم لہراتا ہوا نظر آئے اور مسیحیت صبح و مسا نقارہ انا ولا غیری بجایا کرے ورنہ اس اصطلاح کے موجدوں کو خود اچھی طرح معلوم ہے کہ "پان اسلامزم" اگر اس کا وجود دنیا میں کہیں ہے بھی تو بجز اس کے اور کوئی مقصد نہیں رکھتی کہ مسلمانوں کی موجودہ خود مختارانہ حیثیت کو بلا مزید قطع و برید کے برقرار رہنے دیا جائے بہ الفاظ دیگر مسلمانوں کو دوسروں کے پلاؤ قلیے سے غرض نہیں ان کی تمنا فقط اتنی ہے کہ ان کا دال دلیہ جس سے وہ اپنا جسم و روح قائم رکھ سکیں ان سے نہ چھینا جائے اگر اس تمنا کو قوت سے فعل میں لانا "پان اسلامزم" ہے تب تو یہ تحریک درحقیقت موجود ہے اور اس کی نشانیاں ہمیں افغانستان ایران ٹرکی اور مراکو میں نظر آ رہی ہیں جنہوں نے یورپین طاقتوں کے طرز عمل اور فتوحات کی موجودہ روش کو دیکھ کر اپنے مشترک خطرے کا احساس کرتے ہوئے بجز برادرانہ اتحاد کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا ورنہ اس تحریک کی حقیقت ایک کابوس خیالی سے زیادہ نہیں جسے یورپ نے جان بوجھ کر اپنی غاصبانہ پیشقدمی اور متعدیانہ دراز دستی کے سینے پر اہل مشرق کا منہ چڑانے کے لئے بٹھا دیا ہے۔

اسلامی اخوت جس کا فقدان دنیائے اسلام کے موجودہ افسوسناک انحطاط کا ذمہ دار ہے وہ روشن اصول ہے جو مہاجرین انصار کے عقد مواخات کی مبارک رسم کی انجام دہی کے وقت سے لیکر اب تک ہر اُس مسلمان کا نصب العین بنا رہا ہے جس کے دل کو مبدء فیاض نے درد قومی عطا کیا ہو اور چونکہ سرمایہ درد قومی کا سب سے بڑا خازن وہ واجب التعظیم طبقہ ہے جسے حضور سرور کون و مکان کی بارگاہ سے انبیاء بنی اسرائیل کی ہم پائگی کا درجہ عطا ہو چکا ہے۔ لہذا کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں کسی مجدد وقت عالم نے مسلمانوں کی پستی کو محسوس کرکے ان کی شیرازہ بندی کی کوشش نہ کی ہو اور ان میں وہ روح نہ پھونکنی چاہی ہو جو قرون اولی کے مسلمانوں کے جسم میں حلول کئے ہوئے تھی۔

سید محمد جمال الدین نور اللہ مرقدہ جن کے حالات ہم ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں اپنے وقت کے ایک ایسے ہی مجدد تھے جو داعی عرب علیہ الصلوۃ والسلام کے گلے کی تتر بتر بھیڑوں کو ایک جگہ جمع کرنے کیلئے انیسویں صدی کے نصف آخر میں جبکہ دنیائے اسلام انتہائے ذلت کو پہنچ گئی تھی منجانب اللہ پیدا ہوئے! افغانستان۔ ایران مصر اور ٹرکی اس عجیب و غریب شخص کے فیضان سے یکساں بہرہ اندوز ہیں لیکن اس کا سب سے بڑا احسان ایران پر ہے جس کے مشتعل جنان میں وہ چنگاری ڈال کر جو ۱۹۰۸ء میں شعلہ انقلاب بن کر بھڑکی اس نے حریت مساوات اور دستوری حکومت کے خیالات ملک میں پھیلا دیئے۔ روس ان خیالات کو دبانا

چاہتا ہے۔ انگلستان روس کے دم جھانسے میں آ کر اُس جد و جہد کو جو ایرانی اپنی قسمت کی گرہ کو اپنی انگلیوں سے کھولنے کے لئے عمل میں لا رہے ہیں غیر ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ جرمنی اپنا الوان دونوں حریفوں کو مُہل دیکر الگ سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کیا وہ سلطنت جو تین ہزار سال تک یونانیوں، پارتھیوں عربوں، مغلوں، تاتاریوں، ترکوں اور افغانوں کا پیہم تختہ مشق بنی رہنے پر ہر بربادی و تباہی کے بعد ققنس کی طرح اپنی راکھ میں سے نئے پر و بال لیکر پیدا ہوتی چلی آئی ہو آج مٹ سکتی ہے؟ کیا وہ خطہ جس کی خاک سے مانی و زرتشت۔ رستم و افراسیاب۔ عبداللہ ابن میمون و حسن ابن صباح۔ فارابی و بو علی سینا فردوسی نظامی سعدی و حافظ نے پیدا ہو کر انسان کیلئے مذہبی، عقلی، اخلاقی اور تخیلی نکات کا اچھوتا سرمایہ چھوڑا ہو اس قابل ہے کہ مٹا دیا جائے کیا اُس سرزمین سے جسکی ذہانت آفرینیاں صوفیوں، اسماعیلیوں، شیعوں، حروفیوں اور بابیوں کے جانبازانہ و فدائیانہ معتقدات کا سرمایہ بنکر ایسے ایسے انقلابات برپا کرتی چلی آئی ہوں جنکی نظیر کوئی دوسرا ملک پیش نہیں کر سکتا اپنے آپ کو اغیار و اجانب کی دستبرد سے بچانے کی قابلیت چھین لی گئی ہے؟ کیا وہ ملک جس کے لٹریچر کی رنگینیاں آدھے ایشیا کی تخییل کا عنصر غالب ہوں اور جس کی تہذیب بزم عالم کی شمع کا فانوس ہو دنیا کے دل منت پذیر کا گوشہ گیر نہیں ہو سکتا؟

انصاف پسند دل مرزا آقا خاں کرمانی کے ہم آہنگ ہو کر
پکار اٹھیں گے:۔

به ایران مباد آنچنان روز بد | که کشور به بیگانگان او فتد
نه خواہم زمانے که این نوعروس | بیفتد بزیر جوانان روس
بگیتی مباد آنکه این حور دیس | شود ہمسر لرڈ تارٹے از انگلیس

روس۔ جرمنی اور دوسری یورپین طاقتوں کے اُس شکار سے تو
ہمیں بحث نہیں جو تہذیب و شائستگی کی ٹٹی کی آڑ میں کھیلا جا رہا ہے وہ اگر
ضمیر بیچ پر تلی ہوئی ہیں اور اپنی کشور کشایانہ خواہشوں کی قربانگاہ پر دنیا کی
کمزور و ناتواں قوموں کو بھینٹ چڑھائے بغیر مانتی ہی نہیں تو خداوند عالم
بشرطیکہ وہ موجود ہے اور ضرور موجود ہے ایک دن اُن سے سمجھ لیگا۔
اور وہ اس طرح برباد ہونگی کہ ان کا نشان تک باقی نہ رہیگا لیکن ہمارا دل
دکھتا ہے جب انگلستان پر جس کی بقا کے ساتھ ہماری بقا اور جس کی طاقت
کے ساتھ ہماری سلامتی وابستہ ہے جس کی عظمت کا محل ہماری عقیدت
کی بنیاد پر قائم ہے دنیا اسی قسم کے اعتراض کرتی ہے جیسے وحشی روس
یا بے اصول جرمنی پر کئے جاتے ہیں۔ ہم سات کروڑ مسلمانان ہند جو سلطنت
برطانیہ کی پولیٹکل ہیئت ترکیبی کا جزو لاینفک ہیں اور جن کا یہ عقیدہ ہے
کہ ہندوستان کے لئے انگریزی حکومت کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی جسم

لئے جان کی ہم یہ بات کے ہرگز روادار نہیں ہو سکتے کہ انگلستان سے کوئی ایسی لغزش سرزد ہو جس کا خمیازہ اس کے ساتھ نہ صرف ہمیں بلکہ کل ہندوستان کو بھگتنا پڑے یہی وجہ ہے کہ ہم نہیں چاہتے کہ وہ ایران میں وہی پالیسی اختیار کرے جو روس نے اختیار کر رکھی ہے اس لئے کہ اس پالیسی کا لازمی نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ جنوبی ایران کے ہندوستان میں ضم ہو جانے سے ہندوستان کا اندازہ روس سے جا ملیگا اور اس طور پر جو خطرات پیدا ہو جائینگے وہ اُن لوگوں سے مخفی نہیں جو روس کی عظیم الشان جنگی قوت اور اس کے مقابلہ میں ہندوستان کی فوجی کمزوری سے واقف ہونے کے ساتھ ہی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نقض عہد یورپین طاقتوں کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے اور روس کو تو اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے ۔۔

یہ بحث بیچ میں استطراداً آ گئی تھی۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کا ماخذ پروفیسر براؤن کی وہ دلکشا اور دل آرا تصنیف ہے جو ایران کے پولیٹیکل انقلاب کے متعلق انہوں نے حال ہی میں شائع کی ہے پروفیسر براؤن کو ایران اور ایرانیوں سے ایک خاص لگاؤ ہے اور جن لوگوں نے ان کی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" پڑھی ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ الفت ان کے دل میں کیوں گھر کئے ہوئے ہے جس شخص نے تیس سال فارسی لٹریچر کے مطالعہ اور اس کی تنقید میں گذارے

یوں اور جسے اسلامی تمدن کی تصویر کے روشن رُخ دیکھنے کا بار بار موقعہ ملا ہوا ہے بھلا کیونکر نہ ایران سے محبت ہو۔ اُس محبت کا حق انہوں نے "انقلاب ایران" لکھ کر ادا کیا ہے اور جیسا کہ ان کا بیان ہے اس کتاب کے لکھنے سے ان کا یہ مقصود ہے کہ ان غلط فہمیوں کو جو انگلستان سے ایرانیوں کی طرف سے پیدا ہو گئی ہیں دور کریں اور اپنے ہم وطنوں کے دل میں ہمدردی کا وہ جذبہ پیدا کریں جس کا ایران کو انگلستان پر حق ہے ۔

پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ ابھی تک بحث طلب ہے کہ آیا بڑے آدمی بڑے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا باعث ہوتے ہیں یا بڑے واقعات خود بڑے آدمیوں کو پیدا کر لیا کرتے ہیں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان دونوں کا وجود لازم و ملزوم ہے۔ مسلمانوں کی آزادی اور اُن کے باہمی اتحاد کی اس عظیم الشان تحریک میں جس کے اثرات خصوصیت کے ساتھ ایران و ٹرکی میں نمودار ہیں کسی نے ایسا نمایاں حصہ نہیں لیا جیسا سید جمال الدین نے جن کی زبردست شخصیت متبحرانہ فضیلت مشہورانہ جرأت ان تھک مستعدی۔ فصاحت تقریر بلاغت تحریر اور شاندار شکل و صورت بتائے دیتی تھی کہ وہ بہت بڑے مشاہیر روزگار میں سے ہیں۔ یہ جامع حیثیات شخص فلسفی مصنف خطیب۔ اخبار نویس اور مدبر سبھی کچھ تھا۔ جو لوگ اس کے موافق تھے اُسے بہت بڑا محب وطن جانتے تھے اور جو اس کے مخالف تھے اُسے ایک

خطرناک مفسد ہ پرداز سمجھتے تھے۔ اُس نے وقتاً فوقتاً اکثر اسلامی ممالک اور یورپ کے متعدد پایہ تختوں کا سفر کیا اور اپنے وقت کے بہت سے سربرآوردہ مشرقیوں اور مغربیوں سے ملکر اُن میں سے بعض کو اپنا دوست اور اکثر کو دشمن

سید محمد جمال الدین موضع اسعد آباد میں جو کنار کے متصل مضافات کابل سے ہے ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید صفدر تھا جو حسینی سید تھے اور اپنا سلسلہ نسب مشہور و معروف محدث سید علی الترمذی کی وساطت سے حضرت شہید کربلا سے جا ملاتے تھے۔ ابھی وہ بچہ ہی تھے کہ ان کے والد نے کابل میں جاکر اقامت اختیار کرلی بچپن ہی سے ان میں غیر معمولی ذکاوت و ذہانت کے آثار پائے جاتے تھے اور جب ان کا سن آٹھ سال کا ہوا تو سید صفدر نے اپنے ہونہار بیٹے کی تعلیم کی خدمت خود انجام دینی شروع کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ فارغ التحصیل ہو گئے۔ اور نحو بلاغت۔ تاریخ۔ فقہ۔ منطق۔ تصوف۔ فلسفہ۔ طبیعیات۔ مابعد الطبیعیات ریاضی۔ ہیئت۔ طب۔ تشریح ابدان وغیرہ کل اسلامی علوم و فنون میں انہوں نے منتہیانہ استعداد بہم پہنچائی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ہندوستان آئے اور یہاں ایک سال کئی مہینے رہکر علوم مغربیہ میں کچھ دستگاہ حاصل کی۔ اس کے بعد بعزم حج بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے اور رستہ میں مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے ۱۲۷۳ھ مطابق

۱۸۵۷ء میں مکہ معظمہ پہنچے۔ حج سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے وطن کو مراجعت کی اور امیر دوست محمد خاں کے دائرہ ملازمت میں داخل ہو کر امیر موصوف کے ہمراہ مہم ہرات پر گئے جس پر امیر کے ابن عم اور داماد سلطان احمد شاہ کا قبضہ تھا۔

امیر دوست محمد خاں کا ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ امیر شیر علی خاں مسند نشین ہوا۔ نئے امیر نے اپنے وزیر محمد رفیق خاں کی صلاح پر چلکر اپنے تین بھائیوں محمد اعظم۔ محمد اسلم اور محمد امین کو قید کر دینا چاہا جن میں سے اول الذکر کی ملازمت سید جمال الدین نے اختیار کر لی تھی تینوں بھائی اس منصوبے سے آگاہ ہو کر اپنے اپنے صوبے کو بھاگ گئے اور خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد اعظم اور اس کے بھتیجے عبدالرحمن خاں (سابق امیر افغانستان) نے پایہ تخت پر قبضہ کر لیا اور عبدالرحمن خاں کے والد محمد افضل کو جو غزنی میں قید تھا رہا کر کے تخت پر بٹھا دیا لیکن محمد افضل ایک سال کے بعد رہگرائے عالم باقی ہو گیا اور اس کی جگہ محمد اعظم تخت نشین ہوا جس نے سید جمال الدین کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ محمد اعظم اگر اپنے وزیر باتدبیر کے کہنے پر چلتا تو کل ملک اس کے قبضے میں آ جاتا لیکن چونکہ وہ اپنے تمام رشتہ داروں کو حسد اور رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور بجز اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے جسے ملکداری کا کوئی تجربہ نہ تھا کسی کو ذمہ داری کی خدمت نہ دینا چاہتا تھا

لہذا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔

امیر شیر علی خاں ابھی تک قندہار پر قابض تھا۔ محمد اعظم کے ایک بیٹے نے اس خیال سے کہ شجاعت کا کوئی نمایاں کارنامہ کھا کر باپ کے دل میں گھر کرے چچا پر حملہ کیا لیکن چونکہ ناتجربہ کار تھا اس لیئے دو سو نوجوانوں کے ساتھ ہی فوج سے الگ ہو کر آگے بڑھا۔ اور شیر علی خاں کے ایک سردار یعقوب خاں کے قابو میں آ گیا۔ اس کامیابی نے شیر علی خاں کی ہمت بڑھا دی چنانچہ اس نے سلسلہ جنگ و جدل کو پوری سرگرمی کے ساتھ از سر نو چھیڑ دیا اور انگریزوں کی مدد سے جنہوں نے روپیہ سے اسکی خاطر خواہ مدد کی وہ بالآخر اپنے بھائی محمد اعظم خاں اور بھتیجے عبدالرحمن خاں کی متفقہ قوتوں پر غالب آیا۔ شکست کھا کر محمد اعظم خاں نے نیشا پور کی طرف راہ فرار اختیار کی جہاں چند مہینے کے بعد اُس کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمن خاں بخارا کو چلا گیا۔

سید جمال الدین اس انقلاب کے بعد بھی بدستور کابل ہی میں مقیم رہے اور چونکہ سید تھے اور لوگ ان کو مانتے تھے اس لیئے شیر علی خاں کے انتقام سے محفوظ رہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ افغانستان سے چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کی اجازت امیر سے مانگی۔ امیر کو چونکہ یہ اندیشہ دامنگیر تھا کہ مبادا وہ اپنے سابق ولی نعمت محمد اعظم خاں سے مل کر فتنہ و فساد برپا

کریں۔ لہذا حج کرنے کی اجازت ان کو اس شرط کے ساتھ دی گئی کہ وہ ایرانی علاقہ میں سے نہ گذریں۔ غرض سید صاحب ۱۲۸۵ھ مطابق سنہ ۱۸۶۹ء میں براہ ہندوستان مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے گورنمنٹ ہند نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا کہ وہ سربرآوردہ مسلمانوں سے بلا کسی انگریزی عہدہ دار کی نگرانی کے ملنے نہ پائیں اور ایک مہینے کے بعد اپنے ایک جہاز پر سوار کرا کے بہ اعزاز تمام سوئز کو روانہ کر دیا سوئز سے وہ قاہرہ گئے اور چالیس روز تک وہاں مقیم رہے اس عرصہ میں وہ برابر جامعہ ازہر کو جاتے رہے اور وہاں کے اساتذہ و تلامذہ سے علمی مباحث پر گفتگو کرتے رہے اور اپنے مکان پر چند خاص خاص لوگوں کو درس بھی دیتے رہے۔

قاہرہ سے سید جمال الدین کا قصد مکہ معظمہ جانے کا تھا لیکن اس قصد کو ملتوی کر کے وہ سیدھے قسطنطنیہ چلے گئے جہاں ہز ہائینس علی پاشا وزیر اعظم اور دار الخلافہ کے دوسرے اکابر و اعیان نے ان کا نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا چھ مہینے تک قسطنطنیہ میں مقیم رہنے کے بعد وہ انجمن دانش کے رکن مقرر کئے گئے جو فرینچ اکاڈمی کی طرح ترکوں کی قومی مجلس علوم و فنون ہے اور ماہ رمضان سنہ ۱۲۸۷ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۸۷۰ء میں دار الفنون یعنی عثمانی یونیورسٹی کے ناظم اعلی تحسین آفندی نے ان سے استدعا کی کہ

طلبہ کو ایک لیکچر دیں۔ پہلے تو انہوں نے اس بنا پر معذرت کی کہ ترکی زبان
میں انہیں کافی مہارت حاصل نہیں ہے لیکن بالآخر رضامند ہو گئے انہوں
نے اپنی تقریر ترکی زبان میں قلمبند کر کے صفوت پاشا وزیر سررشتہ
تعلیمات اور شروانی زادے وزیر سررشتہ پولیس اور منیف پاشا کو دکھالی۔
اور ان سب نے اسے پسند کیا لیکن شیخ الاسلام حسن فہمی آفندی سید صاحب
کو بنگاہ حسد دیکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ ان کے روز افزوں رسوخ و اثر کو
کسی طرح صدمہ پہنچائے۔ جب سید صاحب نے اپنی تقریر اعیان و اکابر پایہ تخت
کے بھرے مجمع کے سامنے جس میں بہت سے سر برآوردہ عثمانی ارکان دولت
اور اخبار نویس اور ارباب فضل و کمال شریک تھے پڑھنی شروع کی تو حسن فہمی
آفندی اس تاک میں تھا کہ کوئی فقرہ اس تقریر میں ایسا ہاتھ آجائے جس سے
مقرر کے عقائد کی صحت پر خردہ گیری کی جا سکے۔ سید صاحب نے اپنی تقریر میں
نظام تمدن کو ایک زندہ و متحرک جسم ذوی الاعضا سے تشبیہ دیکر بیان کیا
تھا کہ اس جسم کے اعضا مختلف حرفے اور پیشے ہیں مثلاً بادشاہ اگر دماغ ہے
تو لوہار ہاتھ ہیں کاشتکار جگر ہیں ملاح پاؤں ہیں وقس علی ہذا۔ اس تمہید کے
بعد سید صاحب نے کہا کہ انسانی جماعت کی ہیئت ترکیبی کا بھی یہی حال ہے۔
لیکن جسم بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسانی جماعت کے جسم کی روح
ملکہ نبوت ہے یا ملکہ تفلسف۔ اگرچہ ان دونوں میں بھی یہ امر مابہ الامتیاز ہے کہ

نبوت ایک انعام وہبی ہے جو کوشش سے نہیں ہاتھ آتا بلکہ اُس شخص کو ملتا ہے جسے جناب باری کی عنایت خاص اس کا مستحق خیال کرے اور دوسرا ملکہ یعنی فلسفانہ قوت اکتسابی ہے جو غور و فکر اور مشاہدہ و تجربہ سے حاصل ہو سکتا ہے اس کے علاوہ ان ملکات دوگانہ میں یہ فرق بھی ہے کہ پیغمبر معصوم و غیر خاطی ہوتا ہے حالانکہ فلسفی گمراہ ہو سکتا ہے اور اُس سے خطا سرزد ہو سکتی ہے۔

شیخ الاسلام نے ان الفاظ سے وہ موقع نکال لیا جس کا وہ آرزومند تھا اور سید جمال الدین پر منصب نبوت کو پیشہ اور نبی کو پیشہ ور ظاہر کرنے کا الزام لگایا۔ سید صاحب کیطرف سے اس الزام کی تردید ہوئی اور مطبع و منبر اس بحث کی جولانگاہ بن گئے۔ شیخ الاسلام کو اپنی کٹھ حجتی کی ضد تھی اور سید صاحب کو اپنے دعویٰ پر اصرار تھا نتیجہ یہ ہوا کہ بحث طول کھینچکر حد سے زیادہ تلخ ہو گئی اور دولت عثمانیہ کی طرف سے بخیال حفظ امن و امان سید صاحب کو ایما ہوا کہ کچھ عرصہ کیلئے قسطنطینیہ سے چلے جائیں۔ اس پر انہوں نے دوبارہ مصر کا رخ کیا جہاں وہ ۲۲۔ مارچ ۱۸۷۱ء کو پہنچے۔

سید صاحب کا ابتداءً یہ قصد تھا کہ مصر میں بغرض سیر چند سے قیام کریں لیکن یہاں پہنچکر ریاض پاشا سے انکی ملاقات ہوئی جس پر ان کے کمالات و فضائل کا یہانتک اثر ہوا کہ اُس نے گورنمنٹ مصر سے اُن

کا ایک ہزار پونڈ سالانہ سیاسی وظیفہ مقرر کرادیا۔ طالب العلم اور ارباب ذوق سلیم ان کے علم و فضل کا شہرہ سنکر جوق جوق ان کے پاس آنے لگے اور وہ ان لوگوں کے اشتیاق آمیز اصرار پر فقہ و حدیث فلسفہ و منطق ہیئت و تصوف کے منتہیانہ مسائل کی گتھیاں ان کیلئے سلجھانے لگے مصر میں ان کی شہرت روز بروز بڑھتی گئی اور ان کا حلقۂ اثر جلد جلد وسیع ہوتا گیا انہوں نے اپنے شاگردوں میں انشا پردازی کا مذاق پیدا کرنے پر بہت کچھ توجہ صرف کی اور ادب۔ فلسفہ۔ مذہب۔ پالٹیکس ہر موقع پر خامہ فرسائی کرنے کی انہیں ترغیب دلائی۔ اس وقت تک مصر میں گنتی کے چند اہل قلم موجود تھے مشہور انشاپردازوں میں عبداللہ پاشا فکری۔ خیری پاشا۔ محمد پاشا۔ مصطفےٰ پاشا وہبی اور چند اور اویبوں کا نام لیا جا سکتا تھا لیکن سید صاحب کی مساعی جمیلہ کی بدولت نوجوان طبقہ میں مشتاق اور نکتہ آفرین انشاپردازوں کی تعداد بسرعت تمام بڑھنے لگی۔ اور ملک میں ایسے لوگ بکثرت پیدا ہو گئے جو نہایت قابلیت کے ساتھ ہر مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار بآسانی کر سکتے تھے۔

لیکن قسطنطنیہ کی طرح مصر میں بھی سید صاحب کے کمالات نے خاص خاص لوگوں کو فرط حسد سے ان کا دشمن بنادیا۔ پرانی وضع کے علما کا ان پر یہ اعتراض تھا کہ وہ اجیلائے تعلیم فلسفہ میں ساعی ہیں اور سر انگریزی قونصل جنرل مسٹر وڈین نے جو بعد میں لارڈ ڈوفرین کے لقب سے ملقب ہوئے سید صاحب

کی پولیٹیکل سرگرمیوں کو بنگاہ اشتباہ دیکھکر توفیق پاشا خدیو مصر سے ان کے اخراج کا حکم جاری کرادیا چنانچہ وہ اپنے جان نثار شاگرد ابوتراب کے ساتھ جو کبھی مجتہد العصر آقا سید محمد طباطبائی کے متوسلین میں تھا اور اس وقت سید صاحب کا ارادت حلقہ بگوش تھا ماہ ستمبر ۱۸۷۹ء میں مصر سے روانہ ہو کر سیدھے ہندوستان پہنچے اور حیدرآباد دکن میں اقامت اختیار کی۔ زمانہ قیام حیدرآباد میں انہوں نے ایک کتاب بزبان فارسی ملاحدہ کے رد میں لکھی جس کا بعد میں عربی ترجمہ بھی ہو گیا۔ اصل کتاب ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئی اور اس کا ترجمہ بمقام بیروت ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔

یہاں پر بسبیل تذکرہ یہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے شروع میں سید صاحب نے اپنی ابتدائی زندگی کے سوانح اور خاندانی حالات تمہیداً خود سپرد قلم کئے ہیں۔ سید صاحب کے واقعات زندگی کو دوسرے لوگوں نے بھی قلمبند کیا ہے۔ مثلاً جرجی زیدان نے اپنی کتاب "مشاہیر الشرق" میں جو بمقام قاہرہ ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ سید صاحب کی زندگی کی مبسوط سرگذشت لکھی ہے۔ اس کے علاوہ ناظم الاسلام کرمانی نے حالہی میں ایک کتاب "تاریخ بیداری ایران" کے نام سے تصنیف کی ہے جس کے مقدمہ کا ایک بڑا حصہ سید صاحب کی سوانح عمری کیلئے وقف کیا گیا ہے۔ مصر کے رسالہ "المنار" میں سید صاحب کی بوقلموں اور عجیب و غریب زندگی کے ہر

پہلو پر تفصیلی اور انتقادی نظر حال ہی میں ڈالی گئی ہے لیکن یہ مختلف سوانح سید صاحب کے مقام ولادت کے متعلق متفق البیان نہیں ہیں۔ صاحب "تاریخ بیداری ایرانیاں" کا بیان ہے کہ سید جمال الدین اسعد آباد میں جو مضافات کابل سے ہے نہیں بلکہ اسعد آباد میں پیدا ہوئے جو ہمدان سے ۲ فرسنگ اور کنگاور سے ۵ فرسنگ پر واقع ہے اس لئے وہ حقیقت میں ایرانی الاصل تھے لیکن افغان وہ اپنے آپ کو اس لئے کہتے تھے کہ چونکہ وہ سُنی المذہب تھے اس لئے ایران میں ان سے کوئی معترض نہ ہو۔ اس کے علاوہ ایرانی گورنمنٹ اپنی رعایا کے حقوق کی کافی حفاظت نہیں کرتی۔ صاحب تاریخ بیداری ایرانیاں ہی کا یہ خیال نہیں بلکہ تمام ایرانی سید صاحب کو اپنا ہموطن سمجھتے ہیں لیکن ایسی حالت میں جبکہ سید صاحب خود بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ افغان ہیں صاحب "تاریخ بیداری ایرانیاں" اور اس کے ہم آہنگوں کی کمزور اور بودی دلیلیں سید صاحب کے دعویٰ کی تردید میں باور نہیں کی جا سکتیں۔ اگر ایرانی شیعیت کے خوف سے انہوں نے اپنے آپ کو باوجود ایرانی الاصل ہونے کے افغان مشہور کیا اور شیعیان ایران ایسے ہی متعصب ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اسی شیعہ دنیا پر ایک سُنی عالم ایسا گہرا اور ہمہ گیر اثر ڈال سکا۔ یہ خیال بھی مضحکہ انگیز ہے کہ چونکہ انہیں ایرانی گورنمنٹ کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ اپنی رعایا کو بچا نہیں سکتی لہذا وہ افغان کہلانے لگے اگر یہی خیال تھا تو انہوں نے اپنے آپ کو عثمانی کیوں نہ مشہور کیا اس کے

علاوہ بقول پروفیسر براؤن کے اگر وہ اسعد آبادی ہی میں پیدا ہوئے ہوتے تو افغانستان کے پالیٹکس سے جو گہرا تعلق انہیں ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۸ء تک رہا اُس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے۔

القصہ ۱۸۸۲ء میں "نوجوان مصریوں" کی وہ تحریک جس کے ساتھ سید جمال الدین کو پوری ہمدردی تھی اور جس کا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ خدیو کی مسرفانہ عادات اور غیر محدود اقتدارات کی اصلاح کرکے اغیار کی مداخلت اور مقابضت کا سدباب کیا جائے عرابی پاشا کے خروج۔ اسکندریہ کی گولہ باری تل الکبیر کی لڑائی اور برٹش قبضہ پر جا منتہی ہوئی جنگ کے شروع ہونے سے پہلے گورنمنٹ ہند نے سید جمال الدین کو حیدرآباد سے کلکتہ بلا لیا۔ اور جب تک مصری قوم پرستوں کو شکست نہ ہو گئی انہیں وہیں روکے رکھا اس کے بعد انہیں ہندوستان سے رخصت ہونے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ کلکتہ سے وہ پہلے لندن اور وہاں سے پیرس گئے جہاں وہ تین سال تک رہے۔

زمانہ قیام پیرس میں ان کے دوست اور شاگرد شیخ محمد عبدہٗ مرحوم مفتی مصر اُن سے ملے شیخ محمد عبدہٗ کی ملاقات ان سے قاہرہ میں اول اول ۱۸۷۱ء میں ہوئی تھی اور اُس کے بعد سے دونوں میں رشتہ محبت و یگانگت روز بروز بڑھتا گیا تھا شیخ کو ۱۸۸۲ء کے ہنگامہ میں حصہ لینے کی وجہ سے

جلاوطنی کی سزا دی گئی تھی، اور وہ سیدھے پیرس چلے آئے تھے دونوں نے مل کر ایک ہفتہ وار عربی اخبار "العروۃ الوثقیٰ" نکالا جس میں زیادہ تر پولیٹیکل مباحث ہوتے تھے اور جس کا لہجہ انگلستان کے خلاف تھا یہ اخبار ساڑھے چار مہینے سے زیادہ نہ نکلنے پایا اس لئے کہ انگریزی گورنمنٹ نے اس کے پُر جوش حملوں سے ڈر کر اور اس کے روز افزوں اثر سے خائف ہو کر ہندوستان میں اس کا داخلہ بند کر دیا اور غالباً دوسرے ذرائع سے بھی کام لیا جنہوں نے اسکی شمع ہستی کو گل کر دیا۔

زمانہ قیام پیرس میں سید صاحب نے فرانسیسی زبان سیکھنی شروع کی اور اس میں کافی دستگاہ بہم پہنچالی یہیں سے یورپ کے مختلف سر برآوردہ اخباروں اور رسالوں میں آپ نے مضامین لکھے اور مشہور فرانسیسی مستشرق رینان کے ساتھ مسئلہ اسلام و سائنس پر علمی مناظرہ میں مصروف رہے انگلستان روس ٹرکی اور مصر کے متعلق ان کے پولیٹیکل مضامین کا اقتباس انگریزی اخباروں میں بکثرت شائع ہوتا رہا اور اس زمانہ کے انگلش مدبروں کا ان کی نسبت یہ خیال تھا کہ اس عجیب و غریب آدمی سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اسی زمانہ یعنی ۱۸۸۵ء میں سید جمال الدین لندن گئے اور لارڈ رنڈالف چرچل۔ سر ڈرمنڈ ولف اور لارڈ سالسبری سے ملے جو مہدی سوڈانی کے متعلق ان کے خیالات دریافت کرنا چاہتے تھے اور مسٹر ولفرڈ بلنٹ نے

جو مصری معاملات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں یہاں تک لکھدیا ہے کہ لارڈ سالسبری کی یہ تمنا تھی کہ اگر ممکن ہو تو سید جمال الدین کے ساتھ مناسب شرائط پر سمجھوتا ہو جائے۔

جب العروۃ الوثقیٰ بند ہو گیا تو سید جمال الدین پیرس سے پہلے ماسکو اور وہاں سے سینٹ پیٹرسبرگ گئے جہاں روسی گورنمنٹ نے انکی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا سینٹ پیٹرسبرگ میں ان کا قیام چار سال تک رہا اور اس زمانہ میں انھوں نے مسلمانان روس کے ساتھ وہ احسان کیا جسے ان کی آیندہ نسلیں بلکہ کل مسلمانان عالم فراموش نہ کر سکینگے۔ روس میں مسلمانوں پر حکومت کی طرف سے جو جبر و تشدد ہوتا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ انہیں کلام مجید اور دوسری کتب مذہبی کے چھاپنے تک کی اجازت نہ تھی سید جمال الدین نے زار کو اس ظالمانہ حکم کی تنسیخ پر آمادہ کیا اور ان کی کوششوں سے مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو گئی وہ آزادی جو انہیں جان سے زیادہ پیاری ہے لیکن جسے وحشی اور ظالم حکومت نے اُن سے بجبر چھین رکھا تھا گیا اس واقعہ کو پیش نظر رکھکر ہم مسلمانان ہند کو درگاہ رب العزت میں سجدہ شکر نہ بجالانا چاہیے کہ ہماری قسمت کی باگ ایک ایسی شریف النفس اور مصلحت اندیش قوم کے ہاتھ میں دی گئی جس کی جہانداری کے دستور العمل کا پہلا اصول موضوعہ یہ ہے کہ رعایا

کو کامل مذہبی و عمرانی آزادی دی جائے اور ان کے عقاید کا پورا ادب ملحوظ رکھا جائے علمائے اسلام نے ہندوستان کو اگر دار الحرب نہیں سمجھا۔ بلکہ دار الاسلام قرار دیا ہے تو ان کا یہ فتویٰ بے وجہ نہیں ہے۔

سید جمال الدین ابھی پایہ تخت روس ہی میں مقیم تھے کہ ناصر الدین شاہ فرمانروائے ایران بہ تقریب سیاحت یہاں وارد ہوئے اور سید صاحب سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ سید صاحب نے ازراہ عنایت استغناء شاہ کجکلاہ کے پیام کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن

"قابل تغییر نبود آنچہ تعیین کردہ اند"

دونوں کی ملاقات اور وہ نتیجہ جو اس سے مترتب ہونے والا تھا مقدر ہو چکا تھا۔ کچھ دن بعد میونک میں سید صاحب شاہ سے ملے اور شاہ نے یہ کہکر کہ میں آپ کو صدر اعظم مقرر کر دونگا۔ ان سے باصرار تمام ایران چلنے کو کہا۔ اول تو سید صاحب نے انکار کیا لیکن پھر بعض مصلحتوں سے رضامند ہو گئے۔ اگرچہ ان کے دوست شیخ عبد القادر مغربی ان کو بار بار متنبہ کرتے رہے کہ ایسی حالت میں جبکہ آپ کو سنی عقائد میں اس درجہ غلو ہے اور ملت حنفیہ کی تقویت اور استحکام میں آپ کی مساعی جمیلہ الم نشرح ہو رہی ہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ ناصر الدین شاہ آپ کو صدارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر مامور کرے سید جمال الدین نے جن کی زندگی کی غایت

سنی اور شیعی دنیا کا باہمی اتحاد تھا اپنے دوست کا یہ فقرہ سنکر زبان سے
تو اپنی غلطی کا اعتراف کیا لیکن اپنے مقصد اصلی کو پیش نظر رکھکر دل میں یہ کہا

شاید کہ ہمیں بیضہ بر آرد پر و بال

اور شاہ کے ساتھ ہو لئے۔ شیخ عبد القادر مغربی نے شیعیت اور حنفیت کے
تخالف کو سید جمال الدین کی ہمرکابی شاہ کجکلاہ کا عنان گیر خیال کیا تھا
یہ خیال تو صحیح نہ تھا۔ البتہ دوسری قوی وجوہ ایسی تھیں جو شاہ کی سلک
ملازمت میں سید صاحب کے منسلک ہونے کی روادار نہ تھیں۔ دونوں
کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ سید جمال الدین شیدائے حریت
ناصر الدین شاہ دلدادہ استبداد۔ ایک قومی حقوق کی حمایت میں سینہ سپر
دوسرا ان حقوق کی پائمالی پہ ثابت قدم۔ ایک جمہوری آئین کا آرزومند
دوسرا مطلق العنان شخصی اقتدارات کا متمنی۔ دونوں میں میل ہوتا تو کیونکر ہوتا
یہ اختلاف طبائع بہت جلد رنگ لایا۔ طہران آئے ہوئے سید جمال الدین کو زیادہ
مدت نہ گذرنے پائی تھی کہ عارضی روغن جو یورپ کے سفر نے ناصر الدین شاہ پر
چڑھا دیا تھا اُتر گیا اور سید صاحب کے ساتھ بے اعتنائی برتی جانے لگی۔ شاہ
کے تیور بدلے ہوئے دیکھکر سید صاحب نے مراجعت یورپ کی اجازت
طلب کی جس کے دینے سے کسی قدر درشتی کے ساتھ انکار کیا گیا۔ اس پہ
سید صاحب درگاہ شاہ عبد العظیم میں جو طہران کے قریب واقع ہے بست یعنی

امان لیکر بیٹھ گئے اور اس درگاہ میں جو بوجہ اپنے تقدس کے آمن ہونے کے لحاظ سے حرم کا حکم رکھتی ہے سات مہینے تک رہے۔ زمانہ قیام درگاہ میں سید صاحب نے ناصرالدین شاہ کی کھلم کھلا مخالفت شروع کردی۔ تقریر و تحریر میں وہ شاہ کی بے عنوانیاں بیان کرتے رہے اور اس کی معزولی کے جواز کی تائید میں سلسلہ دلائل کو کبھی ٹوٹنے نہ دیا۔ بہت سے ایرانی جن میں ہر طبقہ و جماعت کے با اثر افراد شریک تھے ان کے ہم خیال ہو گئے۔ یہ حالت دیکھکر ناصرالدین شاہ نے ان کے ملک بدر کرنیکا فیصلہ کرلیا۔

ایران میں مقابر و معابد اور دیگر متبرک مقامات اور شاہی اصطبل اور توپخانہ سے نسبت کا خیال وابستہ ہے جو مجرم یا مفرور کسی مقدس عمارت میں جا پناہ لے یا شاہی طویلے میں چلا جائے حتی کہ شاہ یا شاہی خاندان کے کسی گھوڑے کی دم کو چھو لے۔ یا توپخانہ کی حدود کے اندر داخل ہو جائے وہ مامون و مصئون سمجھا جاتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اسکو ان حدود کے اندر ضرر پہنچا سکے چنانچہ تاریخ ملکم میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ نادر شاہ کے پوتے نادر مرزا پر جس قدر مصیبتیں نازل ہوئیں ان کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک مفرور کو جس نے شاہی اصطبل میں جا پناہ لی تھی مروا ڈالا انھا درگاہ شاہ عبدالعظیم میں سید جمال الدین اسی خیال سے نسبت نشین ہوئے تھے کہ اس کی مقدس چار دیواری میں کسی کو ان سے معترض ہونے کا حوصلہ نہ ہوگا لیکن ناصرالدین شاہ کو اس درگاہ کی امان آفرین

چار دیواری بھی اپنے فیصلہ کی تعمیل سے نہ روک سکی۔ اس نے پانچسو سواروں کا دستہ اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ سید جمال الدین جس حال میں ہوں گرفتار کر کے ملک بدر کر دیئے جائیں۔ سید صاحب اسوقت بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ شاہی کارندوں نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا اور انہیں بستر سے گھسیٹتے ہوئے درگاہ سے باہر لے آئے اور ترکی سرحد پر لیجا کر چھوڑ دیا۔ ناصر الدین شاہ کے اس طرز عمل نے سید جمال الدین کے وسیع حلقہ احباب میں سخت برہمی پیدا کر دی۔ اور یہی طرز عمل آگے چل کر سنہ ۱۸۹۶ء میں شاہ موصوف کے قتل کا ایک بہت بڑا باعث ثابت ہوا پس مقام تعجب نہیں اگر عوام ایران کا یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہو کہ ناصر الدین شاہ کو درگاہ شاہ عبد العظیم کی بیحرمتی کی پاداش میں یہ سزا ملی ایران سے سید جمال الدین کا اخراج اواخر سنہ ۱۸۹۰ء میں ہوا۔ سال ڈیڑھ سال تک کا زمانہ انہوں نے سفر یورپ میں گزارا کچھ عرصہ تک لندن میں رہے جہاں انہوں نے "ناصر الدین شاہ کی ظالمانہ حکومت" کو اپنا موضوع قرار دیکر بہت سے جلسوں میں تقریریں کیں اور متعدد مضامین شائع کیے جن میں شاہ موصوف پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی گئی تھی اور اس کے صحیح الحواس ہونے تک میں شک ظاہر کیا گیا تھا۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں سید صاحب پھر قسطنطنیہ گئے جہاں انہوں نے

اپنی عمر کے بقیہ پانچ سال گذارے سلطان عبدالمجید خاں کے دل میں
ان کی بہت بڑی وقعت تھی اور وہ سلطان کے مقربین خاص میں سے
تھے۔ ایک دن سلطان المعظم نے سید صاحب سے فرمایا کہ سفیر ایران تین
مرتبہ عرض کر چکا ہے کہ سید جمال الدین شاہ کجکلاہ پر سخت حملے کر رہے
ہیں اس کا سد باب ہونا چاہیئے ہم نے دو دفعہ تو اُسے ٹال دیا لیکن
تیسری دفعہ اُس سے وعدہ کیا کہ سید صاحب کی خدمت میں التماس کی
جائیگی کیا یہ مناسب ہوگا کہ آپ اس بحث کے سر بہ خاک ڈالیں سید
جمال الدین نے جواب دیا کہ جب خلیفۃ المسلمین ایسا ارشاد فرماتے ہیں تو
میں شاہ ایران کو معاف کرتا ہوں۔ اس پر سلطان المعظم نے کہا کہ سید
صاحب حقیقت یہ ہے کہ شاہ کجکلاہ آپ سے بہت ہی خائف ہیں۔ یہ
خوف جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا بے وجہ اور بے بنیاد نہ تھا۔

جب یکم مئی ۱۸۹۶ء کو ناصر الدین شاہ کے قتل کے واقعہ نے جو مرزا
محمد رضا کرمانی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا دنیا کے پولیٹیکل حلقوں میں ایک
کھلبلی سی ڈالدی تو اول اول حکومت ایران کو بابیوں پر شبہ ہوا لیکن
بعد میں سید جمال الدین اور انکے رفقا مرزا آقا خاں شیخ احمد کرمانی اور حاجی
مرزا احسن خاں خبیر الملک مورد اشتباہ ہوئے چنانچہ دولت ایران نے باب عالی
سے ان چاروں کی حوالگی کی درخواست کی کسی قدر رد و قدح کے بعد آخرالذکر

تینوں اشخاص تو ایرانی حکام کے حوالے کر دیئے گئے اور تبریز میں ان تینوں کی خفیہ طور پر گردن مار دی گئی لیکن سید جمال الدین کی تحویل سے سلطان عبدالحمید خاں نے انکار کیا۔ ناصر الدین شاہ کی مخالفت میں سید صاحب کا اس سرگرمی سے حصہ لینا اور جس شخص نے شاہ کو قتل کیا اس کا سید صاحب کے ہم خیالوں میں سے ہونا بجز اس کے کہ سید جمال الدین کو ایرانی حکام کی نظروں میں شاہ کے قتل کا محرک ٹھہرائے اور کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ گو سید صاحب ناصر الدین شاہ کو بہت برا سمجھتے تھے اور اس کے دنیا سے اٹھ جانے پر ان کو افسوس بھی نہیں ہوا پھر بھی یہ خیال کہ قتل ان کے ایما سے ہوا اصلیت سے کوسوں دور ہے۔ یہی وجہ تھی کہ باب عالی نے سید صاحب کو دولت ایران کے حوالے نہیں کیا۔ اس عدم حوالگی کی بڑی وجہ تو یہ تھی کہ سید صاحب ایرانی رعایا نہ تھے بلکہ افغانی نژاد تھے اور اس کے علاوہ جب ان پر قتل ناصر الدین شاہ کے جرم میں شریک و معین ہونے کا شبہ ہوا تو وہ یہی ۱۸۹۶ء کو وہ قسطنطنیہ میں گرفتار کئے گئے اور یلدیز کی ایک خاص عدالت کے سامنے ان کے اظہارات لیکر ان پر جرح کی گئی۔ اس تحقیقات میں وہ بری الذمہ ثابت ہوئے اور رہا کر دیئے گئے۔

۱۸۹۶ء میں سید جمال الدین مبتلائے مرض سرطان ہوتے جس سے

وہ جانبر نہ ہوسکے۔ ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو اٹھاون سال کی عمر میں انکی بےچین روح جو مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کے عروج کی فکر میں ہر وقت غلطاں و پیچاں رہتی تھی۔ جسم سے مفارقت اختیار کرکے راہگرائے دارالقرار ہوگئی۔ ان کا جنازہ نہایت دھوم دھام سے نکلا اور وہ "قبرستان مزار نبی" درگاہ شیخ میں جو متصل نشان تاش واقع ہے دفن کئے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

صاحب "مشاہیر المشرق" نے سید جمال الدین کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:-

ان کا رنگ حجازی عربوں کی طرح سانولہ تھا جسم دہرا تھا۔ قویٰ مضبوط تھے آنکھیں سیاہ اور چمکدار تھیں۔ دور کی چیز کو بوجہ نقص بصارت اچھی طرح نہ دیکھ سکتے تھے اور چونکہ عینک نہ لگاتے تھے لہذا پڑھتے وقت کتاب کو آنکھوں سے ملائے رکھتے تھے۔ ان کے بال لمبے تھے اور لباس وہی پہنتے تھے جو عام طور پر قسطنطنیہ کے علما استعمال کرتے ہیں کھانا کم کھاتے تھے اور دن میں عموماً ایک دفعہ سے زیادہ نہ کھاتے تھے لیکن چائے ایرانیوں کی طرح دن بھر پیتے رہتے تھے تمباکو بھی بہت پیتے تھے اور اس میں یہ اہتمام تھا کہ اپنے پینے کا تمباکو خود خریدتے تھے اکثر مشرقی سگرٹ پیا کرتے ہیں لیکن وہ سگار کو سگرٹ پر ترجیح دیتے تھے۔

اپنی عمر کے آخری ایام میں جو انہوں نے قسطنطنیہ میں گذارے انہیں سلطان المعظم

کی طرف سے صرف ۲۵ پونڈ ماہوار کا وظیفہ ملتا تھا۔ نشان تاش بیں ایک سجا سجایا مکان بھی سلطان نے ان کی سکونت کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ اور ان کی سواری کے لئے گاڑی اور گھوڑے بھی اصطبل سلطانی سے بھیجے جاتے تھے وہ بالعموم دن بھر مکان پر رہتے تھے اور شام کے وقت گاڑی پر سوار ہو کر ہوا خوری کیلئے کیا غیبہ خانہ یا قسطنطنیہ کی کسی اور تفریح گاہ کی طرف چلے جاتے تھے وہ سوتے کم تھے اور دیر میں سو کر بہت سویرے اٹھتے تھے جو شخص ان سے ملنے جاتا عام اس سے کہ وہ ادنی حیثیت کا ہو یا بہت ہی بڑا درجہ رکھتا ہو اس سے وہ بہ اخلاق و مہربانی پیش آتے تھے لیکن لوگوں کے مکان پر خصوصا بڑے درجے کے آدمیوں کے ہاں ملاقات کیلئے بہت کم جاتے تھے تقریر ان کی موثر و دل نشین او فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ شستہ و پاکیزہ زبان استعمال کرتے تھے سوقیانہ و پیش پا افتادہ محاوروں سے بچتے تھے لیکن حتی الامکان تکلم الناس علی قدر عقولہم کے اصول کو پیش نظر رکھتے تھے تقریر کرنے کے فن میں انہیں ید طولے حاصل تھا اور مشرق بھر میں کم ایسے شخص ہونگے جو ان کی ٹکر کے ہوں۔ ان کے انداز گفتار سے متانت اور تمکنت مترشح ہوتی تھی اور تمسخر و یاوہ گوئی سے وہ قطعا ابا کرتے تھے وہ تونگر تھے مگر ان کی تونگری کا سرمایہ قناعت تھی۔ دنیا کے مال و متاع کی ان کو بہت کم پرواہ تھی۔ خطرہ کے وقت وہ جری اور دلاور تھے۔

راستبازی اور شیریں اخلاقی ان کے خمیر میں داخل تھی اگرچہ مزاج اشتعال پذیر ضرور تھا جن سے ملتے تھے جھک کر اور منکسر المزاج ہو کر ملتے تھے لیکن بڑے آدمیوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ آزادی و استغنا کی شان لئے ہوئے ہوتا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب وہ مصر سے نکالے گئے تو سوئز میں بحالت تہیدستی پہنچے ایرانی قونصل نے چند ایرانی سوداگروں کے ہمراہ جا کر انہیں کچھ روپیہ دینا چاہا اور کہا کہ اس ناچیز رقم کو یا تو بطور ہدیہ قبول کیجئے اور یا قرض سمجھ کر لے لیجئے لیکن انہوں نے یہ کہکر رقم کے لینے سے انکار کر دیا کہ آپ اس روپیہ کو اپنے پاس ہی رکھئے اس لئے کہ بہ نسبت میرے آپ اس کے زیادہ محتاج ہیں

تو باز باش کہ صیدے خوری و لقمہ دہی   طفیل خوارہ مشو چوں کلاغ بے پر و بال

اُن کے قوائے عقلیہ و ممیزہ حیرت انگیز تھے جو لوگوں کے دل میں ہوتا تھا ابھی وہ ظاہر بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ ان کی قوت انتقال ذہنی اس پر حاوی ہو جاتی تھی اُن کے کلام میں جادو کا سا اثر تھا۔ جو بات انکی زبان سے نکلتی تھی وہ سننے والے کے دل میں اتر جاتی تھی انکی معلومات نہایت وسیع تھیں فلسفہ قدیم۔ فلسفہ تاریخ تاریخ اسلام۔ تمدن اسلام اور جملہ اسلامی علوم و فنون میں انہیں متبحرانہ دستگاہ حاصل تھی۔ وہ ہفت زبان تھے عربی۔ ترکی۔ فارسی اور پشتو کے علاوہ جو گویا ان کی مادری زبانیں تھیں وہ انگریزی۔ روسی اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے تھے۔ فرانسیسی زبان انہوں نے تین مہینے میں استاد کی مدد کے بغیر اتنی سیکھ لی کہ

پڑھنے اور ترجمہ کرنے کے قابل ہوگئے مطالعہ میں ان کا شغف حد درجہ تک پہنچا ہوا تھا خصوصاً عربی و فارسی تصانیف تو ان کی ہر وقت کی مونس و ہمدم تھیں انہوں نے شادی عمر بھر نہ کی اور تمام عمر تجرد میں گذار دی ۔

سید صاحب کی صورت و سیرت کی تصویر ان بلیغ لفظوں میں کھینچنے کے بعد جرجی زیدان اُن کی پولیٹکل تمناؤں کو یوں ظاہر کرتا ہے :-

سید جمال الدین کی زندگی کا نصب العین اور وہ مرکزی نقطہ جس کے گرد اُن کی امیدوں اور عمر بھر کی کوششوں کی پرکار گھومتی رہی اتحاد اسلام اور ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کا قیام تھا جو ایک خلیفۃ المسلمین کے ماتحت ہو۔ اس کوشش میں انہوں نے اپنی تمام طاقتیں صرف کر دیں دنیا کو چھوڑ دیا شادی نہ کی اور کسب معاش کیلئے کوئی پیشہ نہ اختیار کیا۔ بایں ہمہ وہ اپنی کوشش میں ناکام رہے اور اپنے خیالات اور آرزوؤں کی کوئی تحریری یادگار بجز اس کتاب کے جو انہوں نے ملاحدہ کی رد میں لکھی ہے اور چند مختلف موضوع رسالجات اور مضامین کے نہیں چھوڑی لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے دلوں میں خیالات کی ایک نئی رو دوڑا دی جس نے اُن کے قلم میں روانی اور انکے دماغ میں جولانی پیدا کر دی۔ اس سے مشرق کچھ فائدہ اٹھا چکا ہے اور کچھ اٹھائیگا ۔

سید صاحب کی حیرت انگیز شخصیت میں جو مقناطیسی بلکہ برقی اثر
مضمر تھا اس کا ادنی تصور اس واقعہ سے ذہن میں آسکتا ہے کہ باوجودیکہ وہ
ایک سنی المذہب عالم تھے اور اس لحاظ سے ایران میں جو شیعیت کا گھر ہے ان کا
کوئی اثر نہ ہونا چاہئے تھا لیکن پھر بھی انہوں نے نہ صرف یہ کہ ایران کے عامہ
مسلمین کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا اور ان میں آزاد خیالات کی تحریک و بلند خیالی
سے چند ہی دنوں میں استبداد و شخصیت کا طبقہ الٹ دیا بلکہ علمائے کرام و
مجتہدین عظام کو اتحاد بین المسلمین کی اصولی ضرورت سے آگاہ کر کے اپنا
اس حد تک ہم خیال بنا لیا کہ جب ناصر الدین شاہ نے ایک انگریزی کمپنی کو تمباکو
کا اجارہ دے دیا تو سید جمال الدین کے ایک خط سے متاثر ہو کر مجتہد اعظم
حاجی میرزا حسن شیرازی نے اس مضمون کا فتوی جاری کر دیا کہ تا وقتیکہ اجارہ
منسوخ نہ کر دیا جائے اہل ایران پر تمباکو پینا حرام ہے۔ المنار کے ایڈیٹر سید
محمد رشید لکھتے ہیں کہ اس خط نے جناب مجتہد اعظم کو جن کا روحانی اثر اہل
ایران کے دل پر مستولی ہے ایثار نفس اور قومی جوش کی تصویر بنا دیا
چنانچہ آپ نے استعمال و کاشت تمباکو کی حرمت کے متعلق فتوی جاری
فرما دیا اور تمام علمائے ایران نے اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس فتوی کو بجلی کی
سی سرعت کے ساتھ نافذ کر دیا۔ لوگوں نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر
دیا چنانچہ جس شام کو فتوی کی اشاعت طہران میں ہوئی اسکی دوسری صبح کو

جب شاہ نے قلیان مانگا تو اسے یہ جواب ملا کہ محل میں تمباکو کی ایک پتی بھی موجود نہیں سب جلا ڈالا گیا۔ شاہ نے فرط استعجاب سے اسکی وجہ یافت کی تو خدام نے کہا کہ حضرت حجت اسلام حاجی مرزا حسن شیرازی مجتہد اعظم نے اسکے استعمال کے خلاف فتویٰ جاری فرمادیا ہے شاہ نے جب پوچھا کہ پہلے میری اجازت اس بارہ میں کیوں نہیں لی گئی تو انھوں نے کہا کہ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے جس میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں اس کے بعد شاہ کو طوعاً و کرہاً اجارہ منسوخ کرنا پڑا اور انگریزی کمپنی کو پانچ لاکھ پونڈ بطور تاوان دینے پڑے۔

پروفیسر براؤن سید جمال الدین کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دنیائے اسلام کے واقعات پر بیس سال تک جو اثر یہ عجیب و غریب شخص ڈالتا رہا اس کے لحاظ سے غالباً ہی کوئی اسلامی معاصر اسکی برابری نہیں کرسکتا اسکی مکمل سوانحعمری کے لکھے جانے کے یہ معنی ہونگے کہ ممالک مشرقیہ کی زمانہ حال کی پوری تاریخ قلمبند کیجائے جس میں افغانستان اور ہندوستان سے تبصرہ کے علاوہ ٹرکی مصر و ایران کے حالات پر نظر انتقاد ڈالی جائے۔ جمال الدین کا اثر ابھی تک مختلف صورتوں میں بمنزلہ ایک زندہ طاقت کے ہے

پروفیسر براؤن کی استشراقی قابلیت مسلم الثبوت ہے ایران کے لٹریچر اور پالیٹکس میں جو دستگاہ انہیں حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے مصر اور ٹرکی کے معاملات پر بھی وہ اچھی طرح رائے زنی کرتے

کے اہل ہیں اور اس لحاظ سے ان کا یہ دعویٰ کہ مصر۔ ٹرکی اور ایران میں سید
جمال الدین کی قائم کی ہوئی تحریک زندہ صورت میں موجود ہے ہر طرح سے
قابل تسلیم ہے لیکن مقام تعجب ہے کہ باوجود ان آسانیوں کے جو ایک ہمہ گیر
پریس نے حصول معلومات کے متعلق آج کل بہم پہنچا رکھی ہیں پروفیسر محمد شیخ
ہندوستان کے حالات سے یہاں تک بیخبر ہیں کہ وہ یہاں کے مسلمانوں کی بیداری
کی خاص نوعیت۔ کو سید جمال الدین کی تحریک سے منسوب کرتے ہیں انتزاع دولت
مغلیہ کے بعد دولت و اقبال اور علم و فضل کا مسلمانان ہند کو جواب دے جانا۔ افلاس
و جہالت اور ذلت و ادبار کی تیرہ و تار گھٹاؤں کا چاروں طرف سے امنڈ امنڈ کر
ان کو چھا لینا۔ ان کے امرا کی وارفتہ مزاجی ان کے علما کی بے راہروی ان
کے خواص کی بے بصری ان کے عوام کی بے خبری کا اغیار و اجانب کے نزدیک اسا
ناقابل اصلاح ٹھیرنا اس یاس آفرین حالت میں یکایک رحمت حق کو حرکت ہونا
اور اس رحمت کا حضور رحمۃ للعالمین کی آل اطہر کے ایک برگزیدہ فرد سید
احمد خاں کی شکل میں ظاہر ہونا سید احمد خاں کا اپنے آنسوؤں سے اپنی قوم
کے اس باغ کو جس میں سات کروڑ نونہال و سیدہ پودے بے سینچے ٹھٹھر رہے تھے سینچنا۔
اسکی آبیاری سے باغ میں پھر بہار آنا۔ جہالت و اوہام پرستی کے دل بادل
کا چھٹنا۔ اس متعصبانہ منافرت کا جو عیسائی حاکموں اور مسلمان محکوموں کے
درمیان چلی آتی تھی گھٹنا مسلمانوں کا اس سچے یقین کے ساتھ کہ ہندوستان

کی حدود کے اندر انہیں اپنے پولیٹیکل تفوق کے احیا کی ضرورت نہیں ہے۔ انگریزوں کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کے عفیفہ تمندانہ تعلقات قائم کر لینا۔ ان تعلقات کے استحکام میں انگریزوں کے اس طرز عمل کا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو انتظام حکومت میں خاص خاص مراعات کے ساتھ شریک کر لیا ہے حصہ لینا۔ اور اس طور پر دنیائے اسلام کے ہندوستانی خطہ میں بجائے اسکے کہ مسلمان اپنے سیاسی کھنڈروں پر ایک خالص اسلامی محل از سر نو تعمیر کرنا چاہیں ان کا ایک اینگلو مسلم محل کی تعمیر میں مصروف ہو جانا کیا یہ تمام واقعات پروفیسر براؤن تک نہیں پہنچے اور کیا یہ سید جمال الدین کے سانچے میں ڈھلے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جس شخص نے جگایا۔ انہیں حضیض ذلت سے نکالکر اوج عزت پر جس شخص کی مساعی جمیلہ نے پہنچایا وہ سید احمد خاں ہے جو اپنی زبردست شخصیت اور حیرت انگیز قابلیت دل و دماغ کے لحاظ سے کسی طرح سید جمال الدین سے کم نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ کسی ایک اعتبار سے اُس پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔

بہرحال ہندوستان سے اگر ہم قطع نظر کریں تو اس میں ذرا شک نہیں کہ اسلامی دنیا کا باقی اکثر حصہ سید جمال الدین کی اُن کوششوں کا رہین منت ہے جنہوں نے جمود و غفلت کے طلسم کو توڑ کر موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی روح پھونکدی اور پروفیسر براؤن

نے ذیل کے بلیغ الفاظ میں جو رائے سید صاحب کی نسبت ظاہر کی ہے وہ حقیقت کی تصویر ہے :-

مبداء فیاض نے اس شخص کے دل و دماغ میں حیرت انگیز قابلیتیں ودیعت کی تھیں۔ اسکی ساری عمر خانہ بدوشی میں گزری۔ اور سحر فصاحت تقریر و بلاغت تحریر کے جس میں تبحر علمی اور وسعت معلومات دینی و دنیوی نے اسلامی درد کے ساتھ مل کر ایک اعجاز آفریں کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اسکے پاس کوئی طاقت نہ تھی لیکن اس طاقت کا یہ اثر تھا کہ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے لرزتے تھے ان قوتوں کو حرکت میں لا کر جو اُس کے اشارہ پر چلتی تھیں اور جن پر یورپ اور ایشیا کے ارباب تدبیر قابو نہ پا سکے اُس نے فن سیاست کے ماہروں کے بڑے بڑے مقصدوں کو خاک میں ملا دیا۔ مصری وطن پرستوں کی تحریک اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اگرچہ سنہ ۱۸۸۲ء میں اس تحریک کے علم برداروں کو شکست ہوئی۔ لیکن

اب بھی اس راکھ میں تھوڑے سے شرر ہیں پنہاں

ایران کی دستوری تحریک کا بانی مبانی بھی اسی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نے دول اسلامی کو ان خطرات سے آگاہ کیا جو غضناک میرہم کی طرح ان کے سر پر سوار ہیں۔ اور اُن کو بتا دیا کہ دول یورپ کی مسلسل اور غاصبانہ دست اندازیوں کا توڑ کرنے کے لئے ان میں باہمی

اتحاد کا ہونا لازمی ہے مسلمانوں کی چند خود مختار حکومتیں یعنے ٹرکی
ایران اور مراکو جو دستبرد روزگار سے اب تک بچی ہوئی ہیں۔ دول
یورپ کی انفرادی یا اجتماعی دراندازیوں سے خطرہ میں ہیں اور یہ خطرہ
انہیں بتدریج اس اتحاد پر مجبور کر رہا ہے جسے پان اسلامزم سے تعبیر کیا
جاتا ہے۔ سچ پوچھا جائے تو پان اسلامزم کا خیال سید جمال الدین ہی کا
پیدا کیا ہوا ہے اگر کوئی اسلامی فرمانروا اس شخص کو ایسا ہاتھ آجاتا جو
اسکی تمناؤں اور آرزوؤں کا پورا پورا احساس کر سکتا اور جوش اسلامی و
محبت قومی کے جذبات سے اس حد تک متاثر ہوتا کہ ان آرزوؤں کو
قوت سے فعل میں لا سکتا تو سید جمال الدین بہت بڑا کام کر گیا ہوتا۔
ناصر الدین شاہ نے جو خود غرضی استبداد اور مطلق العنانی کا جیتا جاگتا
مرقع تھا۔ کچھ دن کے تجربہ میں اُسے مایوس کر دیا۔ البتہ سلطان عبد الحمید
خان کی ذات کے ساتھ اس کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ چنانچہ
اُس نے عملی طور پر ایک نئی تحریک کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھا
جو ابھی تک بہت سے ذی اثر ایرانیوں کی مطمح نظر ہے اس تحریک کا
منشا یہ ہے کہ ترکی سنیوں اور ایرانی شیعوں میں اس سمجھوتے کے
ساتھ باہمی اتحاد قائم ہو جائے کہ ایرانی سلطان ٹرکی کو خلیفۃ المسلمین
تسلیم کر لیں۔ اور ترک شاہ ایران کو شیعوں کا مقتدا مان لیں اور

دونوں فریق ان خاص خاص دل آزار باتوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے۔ سید جمال الدین پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا تھی کہ دونوں سلطنتوں کو ایک ہی قسم کے خطرات کا سامنا ہے اور ان کی خیر اسی میں ہے کہ بجائے ایک دوسرے پر زہر اگلنے اور باہم دست و گریباں ہونے کے وہ اپنی متحدہ طاقت کو اس حریف کے خلاف عمل میں (لائیں) جو دونوں کا یکساں دشمن ہے۔ اس حقیقت کا ادراک اگر سنی و شیعی دنیا نے کر لیا تو کوئی دن جاتا ہے کہ دنیا سید جمال الدین کی عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگا ہوا دیکھے گی۔

تاریخی و صوفیانہ کتابیں

تذکرہ خواتین دکن - جس میں سرزمین دکن کی نامور اور ممتاز اور صاحب
وقلم بیگمات کے جرأت انگیز اور سبق آموز حالات درج ہیں - قیمت ۸؍

تذکرہ العلماء والمشائخ - اس کتاب میں پنجاب و لاہور کے ان بوریہ نشی
کے حالات درج ہیں - جو علمی و صوفیانہ حلقوں میں سعدی - جامی اور رازی بن
ہو کر چمکے - اور جن کی درس گاہوں اور جن کی تعلیم و تربیت نے بڑے بڑے علا
فلسفی منطقی - اور حق گو اہل علم پیدا کئے - یہ حالات بالکل نئے رنگ میں اور نئی طر
پر لکھے گئے ہیں - قدیم و جدید دونوں قسموں کے بزرگوں نے اسکو پسند کیا ہے قیمت

روایات اسلام - اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات اور
خیز و شاندار روایات کا منظوم مجموعہ - جس میں مولانا شبلی ڈاکٹر اقبال - مولوی
ظفر علیخان - مولانا شفیق عماد پوری - مولانا کیفی چریا کوٹی - مولانا اسلم جیرا
پوری اور بعض اور مشہور قومی شعرا کی وہ اسلامی تاریخی نظمیں درج ہیں - جن میں
خلق محمدی - اسلامی حریت و مساوات - عدل و انصاف اور بذل و ایثار
زریں واقعات اس غرض سے درج کئے گئے ہیں - کہ ہماری قومی ہیئت - مذ
حرارت ہمارے روحانی جذبات اور ہماری سیزدہ سالہ لازوال روایات ہر وقت
ہمارے دلوں میں تازہ رہیں - قیمت لہ

مجدد اعظم جمال الدین افغانی - اتحاد اسلامی کے محرک اعظم - مصر اور
مصر کے ذریعہ تمام عالم اسلام میں حریت و آزادی کی روح پھونکنے والے مجدد اعظ
علامہ سید جمال الدین افغانی رح کے حالات زندگی - از قلم مولانا ظفر علیخاں بی اے
ایڈیٹر اخبار زمیندار قیمت لہ

سیرت فریدیہ - یعنی حالات نواب دبیر الدولہ - فریدالدین احمد - وزیر اکبر ثانی
جو سرسید احمد کے نانا اور کشمیری الاصل تھے - حالات نہایت سبق آموز ہیں
اور بتاتے ہیں - کہ چھوٹے آدمی بڑے کس طرح بن جاتے ہیں - خاندان مغلیہ
کے دو آخری بادشاہوں کے دردناک حالات دلوں پر عجیب رقت پیدا کرتے ہیں - آخر میں عزیز

...ل سوانحمری داتا گنج بخش

حضرت داتا گنج بخش جن کا دربار لاہور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے

...جویں صدی ہجری میں اشاعت اسلام کے لیے افغانستان سے پنجاب آئے ...ں کو قریباً نو سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کی سرکار عالی ...یسی ہے اندازہ لگا لیجئے۔ کہ خواجہ خواجگاں حضرت معین الدین چشتی اجمیری ...ر بابا فرید الدین مسعود گنج شکر انہیں کے خوشہ چین اور فیض یافتہ تھے۔ یہ کتاب ...قع سے زیادہ مقبول ہوئی ہے۔ طرز تحریر نہائیت دلفریب اور حالات ...رگی نہایت سبق آموز ہیں۔ رموزات جلالی وجمالی اور اسرار معارف و حقائق ...یہ مخزن صرف عسه رمیں ملیگا۔ دوسرا ایڈیشن حال ہی میں چھپا ہے۔

...ہنمائے کشمیر

شائقین سیاحت کشمیر کے لیے اس سے بہتر کتاب نہیں ...ما ... بڑے بڑے نواب۔ خطاب یافتہ قریباً تمام اردو اخبارات اور جن لوگوں ...اس کو منگایا ہے۔ سب نے اس کی تعریف کی ہے۔ کشمیر کے اعلیٰ حکام نے اس ...اب کی نسبت بہت اچھی رائیں ظاہر کی ہیں۔ کشمیر کی تاریخ تمدنی پولیٹیکل شکل ...لت بتائے۔ وہاں کی قابل دید مقامات کی سیر کرانے اور رستے کے اخراجات ...ور دلکش نظارے دکھانے کے لئے اس سے بہتر گائیڈ یا رہنما نہ مل سکے گا۔

...ت ایک روپیہ عسه

...ات فرشتہ

محمد قاسم فرشتہ۔ مصنف تاریخ فرشتہ کی علمی وعملی زندگی ...ے دلچسپ واقعات۔ فرشتہ کے زمانہ کے حالات دکن و ہند نے کتاب کو اور بھی پر ...لطف بنا دیا ہے۔ قیمت ۲ر

شرح رباعیات حافظ

خواجہ حافظ شیرازی کے کلام میں ...و جادو اور تاثیر ہے۔ ہر علم دوست اس کا قائل ہے۔ ان کا کلام صوفیانہ رندان ...شرب۔ تارک الدنیا۔ اور دنیادار بادشاہ اور فقیر سب کی مجلسوں میں یکساں مقبولیت ...سے پڑھا جاتا ہے۔ دیوان کی شرح تو چھپ چکی ہے۔ مگر ان کی معنی آفرین رباعیات ...ی شرح اب تک نہ چھپی تھی۔ بڑی محنت اور تحقیق سے یہ شرح لکھوائی گئی ہے۔ ابتدا اس ...قریباً ۲۰ صفحہ پر خواجہ حافظ کی سوانحمری بھی درج ہے ۱۲ر ظفر برادرس تاجران کتب لاہور